سیّد جاوید اقبال

اُردو تقریظ نگاری

کتاب کے مُتعلّقات میں جہاں "پیش لفظ" "دیباچہ" اور "مُقدمہ" ضروری طور پر شامل رہے ہیں، وہاں رواجاً تقریظ کو بھی شامل کیا جاتا رہا ہے۔ اگر اسے بھی نثر کی ایک قسم یا صنف کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گذشتہ صدی سے لے کر اب تک اُردو اور فارسی مطبوعات کی تقریظوں کو اگر یک جا کیا جائے تو ایک نہایت قابلِ لحاظ تقریظی سرمایہ دستیاب ہے، جو اپنے اپنے زمانے کے رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ اس سرمائے کا تجزیہ اور مطالعہ تاریخ ادب کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ بن سکتا ہے۔

تقریظ نگاری کی اس اہمیت کے پیشِ نظر یہ دیکھنا بے جا نہ ہوگا کہ جب سے تقریظ نگاری نے بالخصوص اُردو میں رواج پایا ہے۔ اس پر ضمناً ہی سہی، کیا اظہار خیال کیا گیا ہے؟ کیوں کہ ہمارے فضلاء نے جہاں مقدّمے پر بحث کی ہے۔ تقریظ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اس لحاظ سے تقریظ کی تاریخ اور اس کا مطالعہ ایک توجہ طلب موضوع بنتا ہے۔ تقریظ کے سلسلے میں جو مطالعات ضمنی یا کُلی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ذیل میں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

اس ضمن میں غالباً غالب سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے تقریظ کے موضوع پر اپنے خیالات یا ردِّ عمل کا اظہار کیا ہے۔ تقریظ سے متعلق غالب کی یہ تصریحات ان کے مکاتیب میں ملتی ہیں۔

میجر جان جاکوب (۱) کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ نے دیباچہ میں جن امور کے بیان کرنے کے متعلق لکھا ہے میں انھیں نہیں جانتا اور جو کچھ اس سلسلے میں سمجھا ہے میں ان کو کچھ بھی نہیں سکا تو جن چیزوں کو نہ جانتا ہوں اور نہ سمجھتا ہوں ان کا تذکرہ کس طرح کروں اس لیے دیباچہ نہیں لکھا۔ تقریظ لکھ دی ہے۔ اسے کتاب کے آخر میں

شامل کرلیں اور خود دیباچہ لکھ کر سب کچھ بیان کر دیں (۲) "۔

اسی نوعیت کا ایک مکتوب غالب نے اپنے شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ (۳) کو بھی تحریر کیا تھا۔ جس میں تقریظ سے متعلق اُن کے خیالات زیادہ نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں وہ رقم طراز ہیں کہ۔

" کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ رُوش ہندوستانی ، فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دوں۔ میرے قصیدے دیکھو ، تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے کم تر ، نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں (۴) کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ ان کی مدح کتنی ہے۔ مرزا رحیم الدین بہادر حیا (۵) تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو، وہ جو تقریظ انطباع دیوان حافظ کی جان جاکوب بہادر کی فرمائش سے لکھی ہے۔ اس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مدح آتی ہے۔ اور باقی نثر میں اور ہی مطالب ہیں۔ واللہ باللہ ، اگر کسی شہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اس کی مدح اتنی نہ کرتا جتنی تمھاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری رَوش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے ، قصہ مختصر تمھاری خاطر کی ہے۔ اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھی میری رَوش نہیں ، ظاہراً تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو" (۶)۔

غالب نے ان دونوں تصریحات میں تقریظ کے بارے میں عمدہ طور سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مروّت اور تعلّقات کی بنا پر اپنی تقریظوں میں صرف ایک حد تک تعریف کرتے تھے اور یہ طریقہ روش عام سے ہٹ کر تھا۔ غالب کی تقریظ نگاری کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کی " تقریظوں میں بیان کی شوکت علمیت اور صنعت گری کا رنگ نمایاں ہے مگر کتاب کی تحسین اور مدح میں مبالغہ نہیں کرتے تھے " (۷)۔

اسی ذیل میں محی الدّین قادری زور کا خیال ہے کہ غالب، " ماحول کے اقتضاء سے مجبور ہو کر دیباچوں اور تقریظوں وغیرہ کو بالکل پُر تکلف اور پُر تعقید اسلوب میں قلم بند کرتے تھے " (۸)۔

بہ غرض مکتوبات غالب کی روشنی میں تقریظ سے متعلق یہ نکات حاصل کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ تقریظ میں کتاب کے مندرجات پر بحث نہیں کی جاتی اور نہ اس کی نامہ نگاری کی جاتی ہے۔ ان امور کے لیے دیباچے کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ تقریظ اور دیباچے میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے کتاب کے شروع میں دیباچہ اور آخر میں تقریظ شامل کی جانی چاہیے۔ تاکہ تقریظ نگار کے خیالات قاری کی رائے سے متصادم نہ ہوں اور کتاب لکھنے کا اصل مقصد برقرار رہے۔

۳۔ کتاب کسی امیرزادے کی ہو یا عام آدمی کی، تقریظ نگار اور دیباچہ نگار کو تحسین کے اظہار میں حد سے نہیں گزرنا چاہیے۔

۴۔ تقریظ میں کتاب یا مصنف کی کسی ایسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کی دل آزاری ہو۔

صنف کوئی سی بھی ہو ضابطے کی ضرورت تو بہرحال ہوتی ہے۔ غالب کے مکتوبات سے اخذ کیے گئے نکات فنِ تقریظ نگاری کے ذیل میں یقیناً اہم ہیں۔ جس سے اس فن میں توازن کی ایک صورت بنتی ہے۔ غالب کے بعد مدیر، ہفت روزہ، "کوہ نور" (۹) لاہور کی ایک تقریظ میاں گل محمد (۱۰) کی کتاب "انشائے عالی" پر ۱۳ اپریل ۱۸۸۵ء کے شمارے میں ملتی ہے۔

فاضل تقریظ نگار نے تقریظ کی تمہید میں تبصرے، تقریظ اور مقدّمے کی بابت اظہارِ خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ریویو زبان انگریزی میں اور زبان عرب دونوں مترادف ہیں۔ کسی کتاب کے مرتب ہونے سے پہلے لکھے جاتے ہیں اور بہ کیفیت اجمالی فوائد اُس کتاب میں درج کیے جاتے ہیں۔ تقریظ کو مقدّمۂ کتاب کہنا من کل الوجوہ جائز نہ ہوگا کیوں کہ مقدّمہ میں بعض کے نزدیک گیارہ چیزیں جو کہ اُس فن سے تعلق رکھتی ہیں، مذکور ہوتی ہیں اور بعض کے نزدیک نو اور بعض کے نزدیک تین کہ وہ رسمِ علم، موضوعِ علم، غرضِ اکتسابِ علم ہیں کیوں کہ اگر یہ باتیں بھی مقدّمہ کتاب میں مذکور نہ ہوں گی تو اُس فن کے طالبِ علم کو بصیرت اُس کے شروع کرنے میں حاصل نہ ہوگی، بل کہ طلبِ مجہول مطلق لازم آئے گی۔ منزلِ مقصود کے راستے کو طے کرنا بدون واقفیت اس

کے ہتار نہیں ہوسکتا۔ ورنہ احتمال گمراہی ہے۔ صرف اگر تقریظ میں اتنی بات ہو کہ نامِ علم و واضعِ علم و علّتِ غائی علم مذکور ہو تو کسی قدر مناسبت مقدّمۂ کتاب سے پائے جائے گی۔ لیکن مقدّمہ میں امور مذکورۂ بالا کا بیان ہوتا ہے۔ اور اگر اُس کتاب میں یہ امور ہی نہ ہوں تو البتہ اس کی نسبت جو کچھ لکھا جاوے اس پر تقریظ کا اطلاق کسی قدر مشکل ہوگا۔ فارسی کوئی علم نہیں ہے بل کہ زبان ہے علم اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی موضوع متعین ہو۔ اور اس کے عوارض ذاتیہ یعنی مسائل سے بحث کی جائے اب ہم کو کوئی بتائے کہ فارسی کا موضوع کیا ہے۔ اور اس کے عوارض ذاتیہ کون سے ہیں اگر کہہ گئے کہ موضوع اس کا وہی کلام اور کلمہ ہے تو عوارض ذاتیہ کہاں سے پیدا کرد گے۔ غرض یہ کہ بہرحال دِقت پڑے گی اور فارسی ہی پر کیا منحصر ہے جتنی زبانیں ہیں کسی کو علم کہنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ کیوں کہ زبان اور شے ہے اور کسی علم کا کسی زبان میں مذکور ہونا اور شے ہے ظرف اور مظروف متحد نہیں ہوسکتے۔ گو یہ ہماری بات بہ ظاہر کسی قدر بعض کے نزدیک بعید بل کہ ابعد معلوم ہوگی۔ لیکن جن لوگوں کی نظر غائر ہے وہ سمجھ جائیں گے۔ کہ حق ہماری ہی جانب ہے۔ اب کسی کتاب کے سقم اور صحت کی نسبت جو کچھ لکھا جاوے اس کو ایک مضمون بطور تفننِ طبع کے فرض کریں گے۔ اور ہم نے مانا کہ تقریظ ہی کہیں پھر بھی خلافِ مصطلح ہونا ضرور ہی لازم آئے گا"۔

مدیر ہفت روزہ "کوہ نور" نے مذکورہ تقریظ میں "مقدّمے" اور "تقریظ" کا نہایت مدلل موازنہ پیش کیا ہے۔ ابتدائی سطور میں تمہید کے طور پر "ریویو" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں "مقدّمے" تقریظ اور تبصرے کے فرق کو کچھ لوگ محسوس کرنے لگے تھے۔ مقدمہ نگاری کو فن کے طور پر قبول کرتے ہوئے اس کے اجزائے ترکیبی میں بعض مقدمہ نگار گیارہ، بعض نو اور کچھ تین عناصر کو اہمیت دیتے تھے۔ ان ہی اجزائے ترکیبی کی بنیاد پر وہ لوگ تقریظ کو مقدّمے سے الگ صنف قرار دیتے ہیں۔ مدیر ہفت روزہ "کوہ نور" لاہور کی اس تحریر سے تقریظ نگاری کے ذیل میں جو نکات سامنے آئے ہیں انھیں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ تقریظ اور مقدمے میں اجزائے ترکیبی کا فرق ہے۔

۲۔ تقریظ کو مقدمۂ کتاب کہنا درست نہیں۔

۳۔ تقریظ میں کتاب کے موضوع کی مکمل صراحت ضروری ہے۔

۴۔ تقریظ نگار کو کتاب کے سقم اور صحت کے بارے میں اظہارِ خیال نہیں کرنا چاہیے۔

غالب کے ہاں ہمیں " تقریظ " اور " دیباچے " کے فرق سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں تو مدیر " کوہ نور " لاہور کے ہاں " تقریظ "، " مقدمے " اور دیباچے کی بہ نسبت ایک کم تر درجے کی تحریر نظر آتی ہے۔ دونوں مشاہیر " مقدمہ نگاری " اور دیباچہ نگاری میں محتاط رویہ اپناتے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد الطاف حسین حالی نے تقریظ کے موضوع پر " یادگار غالب " میں اظہار خیال کیا ہے (۱۱)۔ یہ اظہار خیال غالب کی تقریظات کے ضمن میں ہے۔ گویا یہ بھی غالب ہی کی دین ہے۔

حالی نے " یادگار غالب " میں تقریظ لکھنے کا ڈھنگ "، کے عنوان سے مرزا غالب کے انداز تقریظ نگاری کا بہت عمدہ تعارف کرایا ہے۔ حالی لکھتے ہیں :

> " مرزا پر تقریظوں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ تعریف کی مستحق فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبعیت کیوں کہ صلح جو اور مرنج و مرنجان واقع ہوئی تھی۔ وہ کسی سے انکار تو نہیں کرتے تھے مگر تقریظ نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحب کتاب خوش بھی ہوجائے۔ بہت سا حصہ تمہید میں یا مصنف کی ذات اور اس کے اخلاق یا اس کی محبت، اور دوستی کے بیان میں یا لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو بے محل نہ ہوں ختم ہوجاتا تھا۔ آخر میں کتاب کی نسبت چند جملے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے تھے اور مصنف کے خوش کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے، لکھ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے ستائش میں مضائقہ کیا ہے (۱۲) "۔

حالی نے غالب کی تقریظ نگاری کے ذیل میں دو تقاریظ کا تذکرہ کیا ہے (۱۳)۔ اول منشی ہرگوپال تفتہ کے دیوان پر لکھی جانے والی تقریظ ہے۔ اس تقریظ سے تفتہ کی تشفی نہیں ہوتی تھی اور انھوں نے شکایت کی (۱۴) جس کے جواب میں غالب نے انھیں دو ٹوک خط لکھا، یہ

خط غالب کی تقریظ نگاری کی ذیل میں پیش کیا جاچکا ہے (۱۵)۔ دوسری تقریظ سرسیّد کی مرتب کردہ "آئینِ اکبری" (۱۶) پر ہے۔ اس تقریظ (۱۷) میں غالب نے "آئینِ اکبری" کو غیر مفید قرار دیا اور سرسیّد کی اس محنت اور جاں فشانی پر کوئی داد نہیں دی۔ چناں چہ سرسیّد نے اسے شائع نہیں کیا۔ یہ دو واقعات تقریظ نگاری کی تاریخ میں نہایت اہم ہیں۔ جو حالی کے توسّط سے محفوظ ہوگئے ہیں۔

"یادگارِ غالب" میں حالی نے غالب کی تقریظ نگاری کا ضمنی طور پر کئی جگہ تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان کے یہ بیانات غالب کی اُردو نثر اور زبان دانی کے حوالے سے زیادہ اہم ہیں۔ غالب کی ان تقریظات کے ضمن میں حالی کے بھی اس فن سے متعلق کچھ خیالات ملتے ہیں جنھیں بلا اختصار درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ تعریف کی مستحق فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔

۲۔ جن تقریظ نگاروں کی طبیعت صلح جو اور مرنجاں مرنج واقع ہوتی ہے وہ کسی سے انکار نہیں کرتے۔ اور ہر قسم کی کتاب پر تقریظ لکھ دیتے ہیں۔

۳۔ کتاب کیسی ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ احتیاط لازم ہے کہ کوئی بات راستی کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ صاحبِ کتاب کو خوش کرنے کے لیے تقریظ نگار کو چاہیے کہ بہت سا حصّہ تمہید میں یا مصنّف کی ذات اور اس کے اخلاق یا اس کی محبت اور دوستی کے حوالے سے لطیف اور پاکیزہ پیرائے میں صرف کر دینا چاہیے مگر کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔

۵۔ تقریظ کو مزید قابلِ توجہ بنانے کے لیے صاحبِ کتاب کی تعریف اور توصیف کے بعد کتاب کی نسبت کچھ اظہارِ خیال بھی کر دینا چاہیے۔ جس سے مصنف خوش ہوجائے لیکن یہ اظہارِ خیال اصلیت سے خالی نہ ہو۔

۶۔ وہ کتاب جو تقریظ نگار کو بالکل پسند نہ ہو اس پر ایسی رائے ہرگز نہیں دینا چاہیے کہ جس سے کتاب کے متعلق لوگوں کے رائے متاثر ہو اور صاحبِ کتاب کی دل شکنی ہو۔

درج بالا نکات فی الحقیقت حالی کے غالب سے متعلق بیانات سے مستفاد ہیں لیکن ان کا دل چسپ پہلو یہ ہے کہ مذکورۂ بالا نکات کی اگر مثالیں فراہم کی جائیں تو حالی کی تقریظیں بہت خوب صورتی سے سما جاتی ہیں۔ حالی نے غالب کی تقریظ نگاری پر نہ صرف دل چسپ معلومات فراہم کی ہیں بل کہ اُن کا انداز تحریر ایک متوازن تقریظ لکھنے پر بھی اکساتا ہے۔ اس کے علاوہ حالی کا غالب کو تقریظ نگار کی حیثیت سے متعارف کرانا بھی اصل میں اس فن کی

طرف متوجہ کرنا ہے۔ جو بلاشبہہ کسی بھی تقریظ نگار پر پہلا اظہار خیال ہے۔ اس کے بعد ایک طویل وقفہ ایسا ہے کہ تقریظ کے موضوع پر ہمیں فضلاء کی ضمنی تصریحات بھی حاصل نہیں ہوسکیں۔ بیسویں صدی میں اوّل اوّل جس فاضل نے تقریظ سے متعلق ضمنی تصریحات پیش کیں وہ محی الدین قادری زور ہیں۔ جنھوں نے "روحِ تنقید" (۱۹۲۵ء) میں مبادی تنقید کے ذیل میں تقریظ پر بھی اظہار خیال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"تنقید میں نہ صرف تقریظی پہلو ہوتا ہے، بل کہ تخلیقی بھی۔ اس کا کام نہ صرف برائی کی مذمت کرنا ہے۔ بل کہ اچھائیوں کی بھی صحیح ترجمانی کر کے ترقی دینا ہے" (۱۸)۔

محی الدّین قادری زور تقریظ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بازارِ عکاظ میں جب دور دراز کے عرب شاعر اپنے اپنے کمال کو ظاہر کرنے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے جمع ہوتے تو ایک مستند علّامہ صدر نشین بن کر ان کا کلام سنتا تھا۔ جب ہر قبیلے کا شاعر اپنا اپنا کلام سنا چکتا تو صدر نشین ان کے کلام پر اپنی رائے ظاہر کرتا، ہر شعر کے معائب و محاسن کا اظہار کیا جاتا اور ایک شاعر کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی اس کے کلام کے محاسن دکھانے پڑتے اس توصیف و تنبیہ کے عمل کو تقریظ کہا جاتا تھا" (۱۹)۔

محی الدّین قادری زور نے تقریظ کو تنقید کا ایک اہم جزوقرار دیا ہے گویا تقریظ کے قابل توجّہ پہلو کی نشان دہی کی ہے۔ اُن کے خیال میں اچھائیوں کی ترجمانی اور اس کو ترقی دینا تنقید کا کام ہے۔ اس لیے تنقید میں تقریظی پہلو ایک اہم جزو ہوسکتا ہے۔ انھوں نے تقریظ پر اظہارِ خیال کے ساتھ اُردو میں پہلی مرتبہ تقریظ کے پس منظر اور اُس کی تاریخ سے بھی روشناس کیا ہے۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جس کے بعد سے آنے والے وقتوں میں تقریظ کو تنقید کے مباحث میں شامل کیا گیا۔ بایں ہمہ تقریظ کے لیے دل چسپ اور معنی خیز بیان بھی دیتے ہیں:

"اسلام کے اثر نے عربوں میں غیر جانب داری اور صداقت پسندی کا بیج بو دیا تھا۔ جو تقریباً نصف صدی تک بارآور رہا۔ اُس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس میں انصاف پسندی اور اعلیٰ مذاقی حرفِ غلط کی طرح محو ہوجاتی ہے۔ کچھ تو خوشامد، ابن الوقتی کی خاطر اور کچھ عام بد مذاقی کے سبب (جس کے اصلی

غیر متدین اور جاہل حکمران تھے)۔ تقریظ، تقریظ نہیں رہتی بل کہ تعریف و توصیف بن جاتی ہے یا تذلیل" (۲۰)۔

غالب کے بعد یہ دوسرا موقع ہے جب کسی نے تقریظ کے حوالے سے ناگواری کا اظہار کیا یہ اظہار آنے والے وقتوں میں دہرایا جاتا رہا ہے۔ جس سے یقیناً تقریظ کے بدلتے اسلوب اور ارتقاء پر روشنی پڑتی ہے۔

اُردو تقریظ کے مطالعے کی طرف غالباً سب سے پہلے شعوری طور پر مولانا احسن مارہروی نے توجہ کی انھوں نے اپنی فاضلانہ کتاب "تاریخ نثر اُردو" المعروف بہ "نمونۂ منثورات" (۱۹۳۰ء) میں اُردو تقریظات کے آٹھ نمونے شامل کیے ہیں۔ (۲۱) جو ۱۸۴۲ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک کے طویل عرصے کی تقریظ نگاری کی عمدہ طور پر نمائندگی کرتے ہیں ان نمونوں کو شامل کرنے کے علاوہ انھوں نے تقریظ اور اس کے متروک ہونے کے اسباب پر مختصر لیکن جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

اگرچہ اُردو نثر کے موضوع پر ۱۹۲۴ء میں محمد یحییٰ تنہا (۲۲)، مولانا احسن مارہروی سے پہلے قلم اٹھا چکے تھے۔ لیکن ان کا جائزہ مصنفوں کے تذکرے کی صورت میں تھا۔ اصناف نثر سے انھوں نے بحث نہیں کی۔ جب کہ مولانا احسن مارہروی نے اصنافِ نثر کو اہمیت دے کر اپنی کتاب مرتب کی اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تقریظ نگاروں کے جائزے کو اُردو نثر کی تاریخ میں شامل کرنے کا فریضہ سب سے پہلے احسن مارہروی نے انجام دیا۔ بہر کیف اس موقع پر مولانا احسن مارہروی کے تقریظ سے متعلق خیالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "پرانی طرزِ تحریر جس کو تقریظ کہا جاتا ہے۔ فی زماننا یک قلم متروک ہے، اس کا ابتدائی نمونہ امام بخش صہبائی اور مرزا غالب کی عبارتوں میں موجود ہے"۔ (ص ۵۲۵)

۲۔ جب تک اس طرز کا رواج عام رہا (تقریظ) اسی رنگ (پُر تکلف نثر) میں تصنیفات کے آخر میں قطعات تاریخ کی طرح مندرج ہوتی رہی۔ (ص ۵۲۵)۔

۳۔ مغربی انشاء پردازی نے اہلِ مشرق کو انگریزی پڑھنے کے بعد اس طرف متوجہ کیا کہ جس تصنیف کے متعلق کوئی رائے لکھی جائے اس میں پوری طرح ہر پہلو پر نظر ڈالی جائے"۔ (ص ۵۲۵)

۴۔ وہ لوگ جن کو پرانی طرزِ تحریر کی کم و بیش عادت باقی رہ گئی ہے وہ بھی اس روشِ جدید کو ایک حد تک مدِ نظر رکھتے ہیں۔ (ص ۵۲۵)۔

۵۔ لفظ "تقریظ" کی ترکیب و ترویج غالباً اہل ہند کی تجدید ہے۔ جس کی مروّجہ معنوی تخصیص تصنیف کی توصیف تک محدود ہے۔ (ص ۵۲۶)

۶۔ کسی پرانی تقریظ میں یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ تقریظ نگار نے اپنی تحریر میں کتاب کا تاریک پہلو بھی پیش کیا ہو۔ (ص ۵۲۶)۔

۷۔ (تقریظ) کے بعد ماہرین علوم مشرقی نے انگریزی لفظ رویو (REVIEW) کے بالمرادف نقد و تبصرہ کو جگہ دی۔" (ص ۵۲۶)

مولانا احسن مارہروی کے بیان کے مطابق تقریظ اپنی اصل صورت میں موجود نہیں اس کا اصلی رنگ روپ غالب اور صہبائی کے یہاں ملتا ہے۔ اُس کی اصل وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب تک پُر تکلف زبان کا رواج رہا تقریظ بھی روایتی انداز سے کتاب میں شامل ہوتی رہی۔ لیکن پھر مغربی ادبیات کے اثر کی وجہ سے پُرتکلف انشاء پردازی کا خاتمہ ہوا اور تقریظ اپنی حیثیت کھو بیٹھی۔ چناں چہ لوگوں نے تنقید کی طرف توجہ کی اور تقریظ کی جگہ تبصرے نے لے لی۔ لیکن یہ فرق نمایاں رہا کہ تقریظ میں کتاب کے محاسن اُس زمانے کی پُر تکلف نثر کے بجائے سادہ اور آسان زبان میں بیان کیے جانے لگے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن میں پُر تکلف نثر کو پڑھنے یا لکھنے کا شوق ہے وہ نئی روش پر پوری طرح قائم نہیں رہتے۔

مولانا احسن مارہروی کا خیال ہے کہ تقریظ اہل ہند کی تجدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں صرف کتاب کے توصیفی پہلو کو مدّنظر رکھا جاتا ہے۔ مولانا کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں تقریظ کو جن معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا (جس کی نشان دہی محی الدّین قادری زور نے کی ہے)۔ وہ ہند کی تقریظ نگاری سے بالکل مختلف ہے۔ عرب میں کلام کے معائب و محاسن بیان کرنے کو تقریظ کہا جاتا تھا۔ جب کہ ہند میں کتاب اور مصنّف کی توصیف کو۔ اس لیے احسن مارہروی کے خیالات کی روشنی میں یہ نکتہ ضرور قابل توجہ ہے کہ :

> "تقریظ اسے کہا جاتا ہے جو پُرتکلف زبان میں ہو اور تصنیف کی توصیف تک محدود ہو جس کی مثال غالب اور صہبائی کی تحریر کردہ تقریظیں ہیں۔" (۲۲)

"نمونہ منشورات" کے بعد حامد حسن قادری کی "داستان تاریخ اُردو" (۱۹۴۱ء) میں بھی تقریظ سے متعلق تصریحات ہیں۔ (۲۳) مگر یہ غالب کے اسلوب تحریر کے ذیل میں ہیں۔ حامد حسن قادری نے تقریظ [illegible] درجے پر رکھا ہے۔ اور اظہار رائے بیک وقت دونوں پر کیا ہے۔ ان کے خیالات مولانا حالی سے ماخوذ ہیں۔ حامد حسن قادری نے نمونہ نثر کے

طور پر غالب کی تقریظوں کے اقتباس بھی پیش کیے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر ڈاکٹر عبادت بریلوی کی اہم کتاب "اُردو تنقید کا ارتقاء" ہے (۱۹۵۱ء) (۲۴)۔ جس میں تنقید کے ذیل میں تقریظ پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ تنقید کے ذیل میں تقریظ کا ذکر بالکل متعلق موضوع ہے۔ اس لیے کہ تنقید تصویر کے دونوں رخ دکھاتی ہے جب کہ تقریظ میں جو کچھ ملتا ہے اسے یک رخی تنقید کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لہذا ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقید کے ذیل میں تقریظ کی بحث داخل کرنے والے پہلے شخص قرار پاتے ہیں۔ اُن کے تقریظ سے متعلق خاص خاص نکات یہ ہیں۔

۱۔ اُردو میں تنقید کی ایک اور روایت ان تقریظوں میں بھی ملتی ہے جو وقتاً فوقتاً کتابوں پر لکھی جاتی تھیں۔ (ص ۱۴۳)۔

۲۔ تقریظ کے مفہوم میں تغیرّ ہوا اور جب وہ اُردو میں پہنچی تو اس کا مفہوم وہ عبارت قرار پائی جو کسی کتاب کی تعریف میں لکھی جائے اور اس کو کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جائے۔ (ص ۱۴۳)

۳۔ ان تقریظوں کی تنقیدی اہمیت بہت کم ہے۔ کیوں کہ ان میں سوائے تعریف کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ لکھی ہی اس لیے جاتی ہے کہ مصنف کی تعریف کی جائے ... اگرچہ اس میں تنقید کی صحیح روح کا فقدان ہے۔ لیکن تنقیدی شعور کی کار فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ (ص ۱۴۴)۔

۴۔ تقریظ میں تنقیدی روایت کا پتا چلتا ہے۔ ہر چند کہ وہ بہت زیادہ مضبوط نہ سہی۔ (ص ۱۴۰)۔

۵۔ غالب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی تقریظیں لکھی ہیں۔ اور ان میں کم و بیش تعریف و توصیف ہی کا عنصر غالب ہے۔ لیکن ان سب کے یہاں تنقیدی شعور کی کار فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسے تنقیدی اشارے بھی مل جاتے ہیں۔ جن سے لکھنے والے کے مذاقِ شعر اور معیارِ نقد کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ البتہ معائب سے وہ سب کے سب چشم پوشی کرتے ہیں۔ (ص ۱۴۰)۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تقریظ کو اُردو تنقید کی روایت قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ عربی زبان میں تقریظ کی قدامت کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں غالب کی تقریظ نگاری کے ذیل میں اُن کی تحریر کردہ ایک تقریظ پیش کی ہے جو مرزا حاتم علی بیگ مہر (۲۵) کی مثنوی پر ہے۔

اُس کے بعد غالب کے متعلق یہ رائے دی ہے :

" غالب نے تنقیدی شعور سے کام لے کر اس پر تقریظ لکھی ہے۔ اور یہی نہیں بل کہ اس میں کچھ اور بھی تنقیدی اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ شاعری کو انھوں نے شاہد سخن کہا ہے اور تقطیع شعر کو اُس کا لباس اور مضامین کو اُس کا زیور بتایا ہے۔ اس سے غالب کے نظریۂ شعر پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان کے تنقیدی معیار کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے " (۲۶)۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تقریظ کو مباحث میں جگہ دے کر تقریظ نگاری کے سرمائے کی اہمیت و افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ غالب کی تقریظ نگاری کے حوالے سے ان کی تنقیدی بصیرت کی نشان دہی بھی تحقیق و تنقید کرنے والوں کے لیے نئے راستے متعین کرتی ہے۔ اور بلاشبہ ہمیں یہ تحریک ملتی ہے کہ اُردو کے تقریظی سرمائے سے استفادہ کیا جائے۔ اور غالب کے ساتھ ان کے معاصرین اور متعلقین کی تقریظ نگاری پر توجہ کی جائے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے بعد عرصۂ دراز تک یہ موضوع ہمارے فضلاء اور علماء و محققین کی نظر سے اوجھل رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۸ء میں محترمہ اِرم سلیم کی عمدہ کتاب " اُردو میں مقدمہ نگاری کی روایت " لاہور سے شایع ہوئی۔ (۲۷) یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مفید اور مفصّل بحث پیش کرتی ہے۔ جس میں مقدمے سے متعلق تمام ضروری مباحث آگئے ہیں۔ اور معلومات سے عمدہ عمدہ نتیجے نکالے گئے ہیں۔ اس کا ایک اور اچھا پہلو یہ ہے کہ مقدّمے کے مترادفات کے عنوان سے ایک پورا باب تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں تقریظ سے بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث کم و بیش چالیس (۴۰) صفحات پر محیط ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات توجہ طلب ہیں۔ یعنی تقریظ، تقریظ عرب میں، قصیدہ در مدح کتاب، تقریظ دل پذیر، غالب کی تقریظ نگاری، تقریظ انیسویں صدی میں، تقریظِ متروک، تقریظ میں اجتہاد اور تقریظ جدید دور میں، ظلم ہوگا اگر محترمہ ارم سلیم کی بصیرت کی داد نہ دی جائے۔ کیوں کہ انھوں نے تقریظ جیسے نظر انداز کیے ہوئے موضوع پر جس خوبی اور شرح و بسط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ یہ مباحث ہمارے خیال میں فکر انگیز ہیں اور اس باب کا مطالعہ تقریظ کے موضوع پر مزید غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ چناں چہ تقریظ کی بابت اِرم سلیم کے خیالات نکات کی صورت میں اقتباس کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قدیم دور کے لکھنے والے تنقید کے جدید مفہوم سے نا آشنا تھے۔ اس لیے ان کی

تقریظیں صرف تعریف و توصیف پر مبنی ہوتی تھیں۔ (ص ۲۸)

۲۔ تقریظ کو مشرقی معاشرے کی روایتی وضع داری کا نمونہ سمجھنا چاہیے۔ (ص ۶۹)۔

۳۔ جب مغربی علوم کے زیرِ اثر تنقید کے جدید تصورات سے آگہی ہوئی تو تقریظ کے روایتی انداز سے اظہارِ بیزاری کیا گیا۔ (ص ۶۹)

۴۔ جس طرح بادشاہ وقت کے سامنے شاعر قصیدہ پیش کرتا اور انعام حاصل کرتا تھا اسی طرح تقریظ کو بھی ایک طرح کا قصیدہ سمجھنا چاہیے۔ ایسا قصیدہ جو نثر میں لکھا جاتا ہے۔ یہ در مدحِ کتاب ہوتا اور اس کا انعام دوست مصنّف کی خوشنودی کی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ (ص ۷۱)

۵۔ تقریظ میں کتاب کے بارے میں معروضی انداز نہیں اپنایا جاتا تھا۔ صرف دوست مصنف کی شخصیت پیشِ نظر ہوتی تھی۔ (ص ۸۵)

۶۔ تقریظ نگاری کا یہ انداز سدا قائم نہ رہ سکتا تھا۔ جس طرح درباری نہ رہی۔ تو قصائد کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح جب جدید اندازِ نقد نے فروغ پایا نثر نے سادگی اپنائی تو پھر تقریظ نگاری کا یہ اسلوب بھی قابلِ اعتنا نہ رہا۔ (ص ۹۴)

۷۔ قدیم تقریظ کتاب کے آخر میں ہوتی تھی ... پھر یہ کہ بطور جدّت اب کتاب کے شروع میں درج کیا جانے لگا ہے۔ (ص ۱۰۱)

۸۔ تقریظ مقدمہ اور پیش لفظ وغیرہ کی مترادف رہی ہے مگر عموماً اس سے صرف کتاب اور مصنّف کی تعریف کا کام لیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ تقریظ کا لفظ متروک ہوچکا ہے مگر موجودہ مقدّمے اور دیباچے تقریظ ہی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ (ص ۱۰۲)

محترمہ ارم سلیم نے فنِ تقریظ نگاری، اُس کے ارتقاء اور اس سے متعلق مباحث کو بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالنے میں کام یاب ہوئی ہیں کہ تقریظ مقدمہ اور پیش لفظ کی مترادف رہی ہے۔ لیکن اب بھی صورتِ حال مختلف نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تقریظ بھی ایک صنفِ نثر کا درجہ رکھتی ہے۔ جس طرح دیباچہ یا مقدمہ نگاری پر ہمارے فضلاء نے توجہ کی ہے۔ اسی طرح تقریظ کو بھی اپنے مباحث میں جگہ دی ہے۔ لیکن اس تمام جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تقریظ نگاری سے متعلق اور بہت سے گوشے ایسے ہیں جو تحقیق طلب ہیں۔

سب سے پہلے جو چیز توجہ طلب ہے وہ یہ کہ اردو میں تقریظ نگاری سے پہلے فارسی اور

عربی میں تقریظ نگاری کی صورتِ حال کیا رہی ہے؟ اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟ عربی و فارسی تقریظ نگاری نے اُردو تقریظ نگاری پر کیا اثرات مرتّب کیے ہیں۔ اس ضمن میں ابھی تک کوئی قابلِ ذکر مواد نہیں ملتا۔ محی الدین قادری زورؔ، عبادت بریلوی، اور ارم سلیم نے عرب میں ظہور اسلام سے پہلے تقریظی روایت کا ذکر کیا ہے۔ یعنی بازار عکاظ میں، عرب شاعر اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اُن کے کمال کی توصیف و تنبیہ کے عمل کو تقریظ کہا جاتا تھا۔ بے شک یہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن جس تقریظ نگاری کی تاریخ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ کتابوں پر تقریظوں سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ ان عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں تقریظات کو کتابوں میں کب سے شامل کیا جانے لگا ہے۔ غالباً اس بحث کا صحیح رخ یہی ہوگا۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس ذیل میں ابھی تک کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ مشرقی زبانوں میں معلوم اور مشہور دستیاب کتابوں میں تقریظات کب سے ملنے لگی ہیں۔

اس ذیل میں پہلی بات تو یہی تحقیق طلب ہے کہ کیا قدیم مخطوطات میں تقریظات کے نمونے ملتے ہیں؟ غالباً نہیں اور ہماری معلومات کی حد تک یہی صورتِ حال ہے۔ یعنی یہ کہ قدیم مخطوطات، تقریظ کے عنوان سے، کسی قسم کی تحریروں سے خالی ہیں۔ اس صورت حال کے بعد پھر تقریظ عہد طباعت کی دین ٹھہرے گی۔ اور اس کے مقصدِ تحریر سے پریس کا گہرا تعلق بنے گا۔

جہاں تک اُردو مطبوعات میں تقریظیں شامل ہونے کی روایت ہے تو اس حوالے سے ابتداء ہمیں فورٹ ولیم کالج کے ابتدائی عہد کی کتابوں سے کرنا چاہیے۔ لیکن جائزے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ کتابیں کسی قسم کی تقریظ سے خالی ہیں۔ یہاں بات بہت واضح ہے کیوں کہ یہ کتب مخصوص مقاصد کے لیے لکھی اور چھاپی جاتی تھیں ان میں تقریظات کا نہ ہونا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ البتہ اُردو طباعت کا ایک دور ایسا آتا ہے جب [illegible] پریس یا سنگی مطابع کے عام ہونے کی وجہ سے کتابوں کی طباعت اور اشاعت کا کاروبار حیرت انگیز ترقی پانے لگتا ہے۔ تو پھر ہندوستان میں چھپنے والی عربی، فارسی اور اُردو مطبوعات میں بالالتزام تقریظیں ملتی ہیں۔ یہ تقریظیں دو قسم کی ہیں۔ ایک کو "تقریظ الکتاب" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اور دوسری کو "تقریظ المطابع" یہ صورت خاص طور سے نول کشور کی مطبوعات میں ملتی ہیں۔ اس [illegible] الذکر قسم کو محترمہ ارم سلیم نے "قصیدہ [illegible]" کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ "تقریظ المطابع" کی ایک عمدہ مثال وہ ہے جو محمد ظہیر الدین [illegible] گرامی نے فارسی میں "تقریظ

المطابع" کے نام سے لکھی تھی (۲۸) اور نول کشور کی طبع کردہ کتاب "مصباح الہدایت" میں شامل ہے۔

تقریظ کی ایک قسم "تقریظ المصنف" بھی قرار دی جاسکتی ہے۔ جس میں تحسین و تعریف کا مرکز کتاب نہیں بل کہ صاحبِ کتاب ہوتا ہے۔ یہ اندازِ تقریظ کم از کم غالب کی تقریظ میں ضرور پایا جاتا ہے۔ یہاں تقریظ نگار تصنیف کی مدح سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ تصنیف کو چھوڑ کر مصنف کے گن گانے لگتا ہے۔

(۲)

اب تقریظ کی تعریف سے متعلق بحث پیش کی جاتی ہے۔ اس ذیل میں دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اوّل یہ کہ اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں پر فرہنگوں کی مدد سے روشنی ڈالی جائے۔ دوسرے یہ کہ فضلا کی آرا، تقریظ کے اصطلاحی معنوں کی وضاحت کے لیے شامل کی جائیں۔ اور اسی ذیل میں اُردو تقاریظ کے نمونے اور تقاریظ کی کتاب میں شمولیت کے طریقے کار کو بھی پیش کیا جائے۔

"تقریظ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ مولوی نور الحسن نیر "نور اللغات" میں لکھتے ہیں:

"تقریظ عربی۔ قرظ [illegible] زندے کو سراہنا کسی زندہ شے کی برائی بھلائی بیان کرنا" (۲۹)

جب [illegible] لکھتے ہیں:

"تقریظ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ان [illegible] مختلف لغات

کے حوالے سے یہ صراحت ملتی ہے

"یہ تقریظ (ت) (ع مص) بستودن (زوزنی) ستودن زندہ را بحق باشد یا باطل (منتہی الادب)۔ آنند راج (ناظم الاطباء) (از قرب الموارد) ستودن مدح کردن۔ بحق یا باطل را (مجمل اللغـۃ) ستودن مکتوب کسے را و تصدیق نوشتن برآں (ناظم الاطباء) در فارسی امروز نوشتن مطابی مدح آمیز برکتابی۔
تقریض (ت (ع مص) شعر گفتن کسے را مدح یا ذم ضدامت (منتہی الادب)۔ (آنند راج)۔ ناظم الاطبا)۔ (از اقرب۔ الموارد)"۔ (۳۲)

"اُردو لغت" میں تقریظ کے جو معنی ملتے ہیں وہ دیگر اُردو لغات کی بہ نسبت جامع اور واضح ہیں۔

"تقریظ":-

"مصنف کے علاوہ کسی اور کا کسی کتاب یا مضمون وغیرہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا۔ (عام طور پر تعریفی اور تائید رائے ، جو کتاب کے آغاز یا اختتام میں شامل ہو"۔ (۳۳)

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں ہے کہ:

"تقریظ کو تنقیدی تحسین سے ممیز کرنے والی چیز خیالی انداز ہے"۔ (۳۴)

"تقریظ کی ہیئت اور اسلوب کے بارے میں ہمارے ادباء اور فضلاء نے بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

"تقریظ کسی ادب پارے کی تعریف و تحسین ہے خیالی انداز میں ، اس کی ضد مکابرہ ہے جس کے معنی ہیں محاکمہ کے بجائے ایک شاعر کو دوسرے کے مقابلے میں بڑا ثابت کرنا" (۳۵)

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ:

"(تقریظوں میں) کتاب کے نفسِ مضمون پر بہت کم بحث ہوا کرتی تھی۔ عموماً تحسین کا پہلو مدِنظر رکھا جاتا تھا۔ اور کتاب کے محاسن پر خیالی بحث کی جاتی تھی"۔ (۳۶) اس کے علاوہ "طیف نثر" میں رقم طراز ہیں "تقریظ ایسی تنقید کو کہتے ہیں جو پرانے زمانے میں تحسین کی خاطر یا کسی کی تعریف کرنے کے لیے خیالی انداز میں کی جاتی تھی" (۳۷)۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے "اُردو تنقید کا ارتقاء" میں تقریظ سے جو بحث کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "تقریظ وہ عبارت ہے جس میں کسی کتاب کی تعریف کی جائے" (۳۸)۔

تقریظ کی بابت مشاہیر کی آراء ان کے ادبی نظریات کے تحت ہو سکتی ہیں لیکن لغوی معانی و مطالب میں اختلاف توجّہ طلب مسئلہ ہے۔

مولوی نورالحسن نیرّ " نور اللغات " میں کسی زندہ کی برائی بھلائی کے بیان کو تقریظ قرار دیتے ہیں۔ اور مہذب لکھنوی " کسی مؤلّف یا مصنّف کی تالیف پر غیر جانب دارانہ رائے ظاہر کرنے کو " تقریظ " لکھتے ہیں جب کہ مولوی سیّد احمد دہلوی تقریظ کو تبصرے کا مترادف بھی قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں مروّجہ مفہوم کے مطابق تقریظ میں برائی کا پہلو نہیں ہوتا۔ اور نہ تقریظ میں غیر جانب دارانہ رائے دی جاتی ہے۔ تقریظ میں غیر جانب دارانہ رائے یا برائی کے پہلو کو اجاگر کرنے کی روایت عرب میں تھی۔ وہ بھی بہت ابتدائی زمانے میں جس کی طرف محی الدّین قادری زور نے متوجہ کیا ہے۔ لیکن اُردو میں صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ملتی ہے۔ یہاں ابتداء ہی سے اس کا مفہوم یہ قرار پایا ہے کہ تعریف و توصیف کی جائے۔ اس ذیل میں تعریف کتاب کی بھی ہو سکتی ہے، مصنف کی بھی اور مطبع کی بھی۔ چناں چہ مذکورہ لغات میں تقریظ کے معانی کو لغوی دائرے میں نہیں رکھا گیا اور نہ مفہوم کو اُردو کی مروجہ روایت کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ اُردو تقریظات کے سرسری مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابتداء ہی سے تقریظ میں مصنّف اور تصنیف کی مدح بالعموم اس زمانے کے رواج کے مطابق رنگین نثری اسالیب میں کی جاتی تھی۔ بعد ازاں اسے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ گذشتہ صدی کی کتابوں میں عموماً کئی کئی تقریظیں ملتی ہیں جو اکثر مشاہیر کی تحریر کردہ ہیں اور نظم و نثر دونوں ہی میں ہیں۔ لیکن نثر کا رجحان غالب ہے۔ اس صورتِ حال کے بعد تقریظ کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ " تقریظ" نظم و نثر کی وہ صنف ہے جس میں دوست / مصنف اور تصنیف کی تعریف و توصیف رنگین اسالیب میں کی جاتی ہے۔

" اردو لغات میں " " تقریظ " کو تبصرے کا مترادف بھی قرار دیا گیا ہے۔ شاید اس لیے کہ جب تقریظ کے اسلوب میں تغیر آیا تو پھر لکھنے والے تبصرے کی طرف متوجّہ ہوئے۔ بعض ناقدین تبصرے کو تقریظ کی ترقی یافتہ صورت بھی قرار دیتے ہیں۔ یہ رائے ایک لحاظ سے درست ہے اس لیے کہ دونوں اصناف کے پیچھے ایک کاروباری ضرورت پوشیدہ ہے۔ اس کے علاوہ تبصرے کا استعمال بہت بد احتیاطی سے ہوا۔ تبصرے کو اس کے صنفی دائرے کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا اسے بھی دوست، مصنّف یا کتاب کی تعریف و توصیف کے لیے کثرت سے

استعمال کیا گیا لہذا ایک عام رائے یہی ہے کہ تبصرہ، تقریظ کی بدلی ہوئی شکل ہے، جب کہ یہ حقیقت سے دور کی بات ہے ۔ دونوں کے اجزائے ترکیبی اور مقاصد میں نمایاں فرق ہے۔ جہاں تک دونوں اصناف کی زبان و بیان کا تعلق ہے۔ تو وہ ایک جیسے اس لیے نظر آتے ہیں کہ اب سادہ، عام فہم زبان و بیان کا رواج ہے اور اس کا یہ اثر ہر نثری صنف میں نظر آتا ہے۔

تبصرے کے لغوی معنی ہیں :

"کسی کو کوئی چیز دکھانا (مجازاً) کسی کے متعلق اظہارِ رائے بصیرت کا اظہار" (۲۹)

حالی نے تبصرے کا مقصد بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"ریویو نگاری کا منصب صرف اس بات کو دیکھنا ہے کہ مصنّف نے وہ فرائض جن کو زمانے کا مذاق ہر نئی تصنیف میں اس طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح پیاسا پانی کو، کس حد اور کس درجے تک ادا کیے ہیں۔ پس جب ہم کسی کتاب پر ریویو لکھ رہے ہیں (تو) ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مصنّف کی رائے جزئیات مسائل میں فی نفسہ کیسی ہے۔ کیوں کہ اس کا فیصلہ کرنا پبلک کا کام ہے نہ (کہ) ریویو لکھنے والے کا"۔ (۳۰)

مذکورہ دونوں تعریفات کے بعد تبصرے سے متعلق یہ صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ تبصرے کا مقصد کسی کتاب پر کتاب لکھنا نہیں اور نہ مصنّف کا ادب میں کوئی مقام متعین کرنا ہے۔ اور نہ کتاب کے معائب و محاسن کو پیش کرنا ہے۔ بلکہ تبصرے کا مقصد تو صرف کتاب کے بارے میں صراحت وہ بھی صرف اتنی کہ ایک عام قاری اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ کتاب اس کو خریدنا چاہیے یا نہیں، یہ کوئی ایسی کتاب تو نہیں کہ جس کو خریدنے سے اس کی رقم ضائع ہوجائے گی لہذا ایک مبصر پرکشش اسلوب کا سہارا بھی لے سکتا ہے۔ اس لیے کہ مبصّر، مصنّف اور قاری کے درمیان کتاب خریدنے کے معاملے میں معاون ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تبصرہ ایک کاروباری ضرورت بھی بنتا ہے۔ جب ہی مبصّر، مصنّف کی طرف ہمدردانہ رویہ رکھتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک دوا بیچنے والی کمپنی دوا کے فوائد اور قیمت سے متعلق لوازمہ اپنے نمائندے کے ہاتھ بھیجتی ہے۔ نمائندہ اپنے خوب صورت اندازِ بیان سے ڈاکٹر کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ یہ دوا مریض پر آزمائے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :۔

"کتاب پر اظہارِ خیال کرتے وقت مبصّر کو تبصرے کے لغوی معنی ہی تک خود کو محدود رکھنا چاہیے۔ مبصّر کی ڈالی ہوئی روشنی نہ اتنی تیز ہونی چاہیے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں اور نہ اتنی مدہم کہ نظریں کتاب کے اصل خدوخال کو دیکھنے سے محروم رہیں" (۴۱)۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے تبصرے کی تکنیک سے متعلق ہے جب کہ اس سے پہلے ہم نے تبصرے کے مقصد پر روشنی ڈالی تھی۔ تبصرے میں مقصد کے بعد تکنیک ہی تبصرے کو تقریظ سے جداگانہ اسلوب فراہم کرتی ہے۔

اصل میں ہمیں اپنی عام زندگی میں کچھ نہ کچھ سوالات کا سامنا عموماً رہتا ہے مثلاً کون سی فلم دیکھی جائے ؟ کون سا ٹی ۔ وی پروگرام دیکھا جائے ؟ کون سی کتاب پڑھی جائے ؟ کس خطیب کو سنا جائے ؟ کس کو ووٹ دیا جائے ؟ یا کس بیکری سے سامان خریدا جائے ؟ ان موضوعات پر ہمیں اکثر غیر رسمی طور پر اپنی رائے کے اظہار کے مواقع پیش آتے ہیں۔ یہ ہماری روز مرہ زندگی کی بات ہے۔ علمی دنیا میں بھی تنقیدی قدر و قیمت کے تعیّن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے اور اکثر و بیش تر کتابوں کے معاملے میں تنقیدی آراء میں بہت اختلاف پائے جاتے ہیں اس لیے ہمیں خود کوئی رائے قائم کرنا پڑتی ہے۔ پھر کسی کے پوچھنے پر ایسے ہی رسمی انداز سے کتاب پر رائے دیتے ہیں جیسا کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں ۔ جن کا ذکر کیا گیا، یہی رائے اصل میں تبصرہ ہے جس میں تنقید نہیں ہوتی اور نہ تقریظ ، صرف نامہ نگاری ہوتی ہے ۔ یہ نامہ نگاری صحافتی نامہ نگاری سے بہت مختلف ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقائق اور رائے کی آمیزش ہوتی ہے۔ جب کہ صحافتی نامہ نگاری صرف حقائق کے بیان کو کہتے ہیں۔ اس لیے تبصرے کی نامہ نگاری میں یہ تقاضا کیا جاسکتا ہے کہ اصل کتاب پڑھنے سے پہلے کتاب کے مندرجات ، موضوع اور زبان و بیان کا اندازہ ہوجائے۔ اس طرح قاری کے علم میں آجائے کہ اس کتاب میں کن کن مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ موضوع کا ابلاغ ہوا ہے یا نہیں ، کتاب کن لوگوں کے لیے کارآمد ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں یہ ان سے کس لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ کتاب کی ظاہری ساخت کیا ہے ؟ قیمت کتنی ہے ؟ حجم کتنا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض تبصرے میں وہ بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں جن سے قاری اپنی پسند

اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے کہ آیا وہ یہ کتاب خریدے یا نہیں۔ تبصرے کے مقابلے میں تقریظ کا مقصد یقیناً جدا ہے۔ اس کا مقصد کتاب اور مصنّف کی تعریف و توصیف کرنا ہے۔ جس میں یہ کوشش شعوری ہوتی ہے کہ مصنّف یا کتاب کا قابلِ مذمت پہلو بیان نہ کیا جائے اس کے لیے مصنّف کی زندگی کے روشن پہلو اور کتاب کی نمایاں اور اہم خوبیوں کو فوکس کیا جاتا ہے۔ چناں چہ یہ ضروری نہیں کہ کتاب کے مندرجات بیان کیے جائیں یا موضوع کی مکمل صراحت کی جائے۔ کیوں کہ تقریظ نگاری کا مقصد تحسین کرنا ہے۔ تبصرہ یا تنقید کرنا نہیں۔ اس لیے بیان میں شان و وقار ہونا چاہیے لیکن ایسا جو مبالغے سے پاک ہو اور کسی دوسرے کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔

تقریظ نگار کتاب یا مصنّف کی تحسین کرتے وقت مصنّف کی تمام کاوشوں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اور جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے اس سے پیش تر اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کو بھی حوالے میں لاتا ہے جس سے خود بخود ایک علمی و تحسینی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تنقید یا تبصرے کے علاوہ کوئی صنف ہے (۴۲)۔

ان دونوں اصناف کے مقاصد اور تکنیک کو سامنے رکھیے تو فوری طور پر چند واضح فرق ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ تقریظ نگار قاری اور مصنّف کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ جب کہ تبصرہ نگار قاری اور ناشر کے درمیان۔

۲۔ تقریظ کتاب میں شامل ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ کتاب سے علاحدہ ہوتا ہے۔

۳۔ تقریظ کی حیثیت کتاب میں ضمیمے کی ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ خبرنامے کا کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔ تقریظ کا مقصد شان و وقار کے ساتھ کتاب یا مصنّف کی تحسین کرنا ہے۔ جب کہ تبصرے کا مقصد ادبی دنیا کو کسی نئی کتاب یا نئی تحقیقات کی آمد کے متعلق مکمل اطلاع فراہم کرنا ہے۔

۵۔ تقریظ کتاب کے ہر قاری کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ خاص قاری، کتب فروش اور کتب خانوں کی انتظامیہ کے لیے ہوتا ہے۔ خاص قاری اس لیے کہا کہ بعض اوقات کتب فروش یا کتب خانے والے تبصروں کو پڑھ کر کتاب خریدتے ہیں یا اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے قاری کو مطلع کرتے ہیں۔ گویا تبصرہ، تقریظ سے زیادہ کاروباری ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

تقریظ کے لغوی معانی و مفہوم کے بعد اب ہم مشاہیر کی آراء سے متعلق جائزے کی طرف آتے ہیں۔

ڈاکٹر محی الدّین قادری زور نے تقریظ کو " تعریف و توصیف یا تعریض و تذلیل " قرار دیا ہے۔ (۴۳) جب کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ایک موقع پر یہ لکھتے ہیں کہ " تقریظوں میں صرف مدّاحی ہوتی تھی اور لکھنے والے الفاظ کے ساتھ کھیلتے تھے۔ صداقت ان میں ناپید تھی،خلوص نام کو بھی نہیں تھا "۔ (۴۴) ظ۔ انصاری نے تقریظ کو " مبالغہ آمیز تعریفی انشا پردازی " لکھا ہے (۴۵)۔ ڈاکٹر گیان چند نے کسی حد تک مذکورۂ بالا مشاہیر کی آراء سے اتفاق ہی کیا ہے (۴۶) علاوہ ازیں محترمہ ارم سلیم، تقریظ کو " مشرقی معاشرے کی روایتی وضع داری کا نمونہ " قرار دیتی ہیں (۴۷)۔ جب کہ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی " کشّاف تنقیدی اصطلاحات " میں لکھتے ہیں :

> " بعض کتابوں کے آغاز میں یا گرد و پوش پر تعریفی عبارتیں اب بھی دکھائی دے جاتی ہیں۔ لیکن ایسی عبارتوں کو تقریظ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ تعریف و تحسین تو کسی تنقیدی مضمون میں بھی ہوسکتی ہے۔ مولوی عبدالحق کا مقدّمہ " انتخاب کلامِ میر " اچھا خاصا تنقیدی مقالہ ہے جو میر کی خصوصیات شاعری کی تلاش اور ان کی تعریف و تحسین پر مشتمل ہے " (۴۸)۔

فاضل مرتّب نے تقریظ کی بابت جو کچھ اس اقتباس میں کہا ہے کہ اس سے ان کی اس صنف سے بیزاری جھلکتی ہے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اس بیان کے حوالے سے ہماری رائے میں کتابوں کے گرد پوش پر جو تعریفی عبارت ملتی ہے اسے تقریظ ہی کہا جاتا ہے یا تقریظ کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر تنقیدی مضامین میں تعریف و تحسین بھی ملتی ہے تو وہ تنقید کا حصّہ ہوتی ہے۔ کیوں کہ تنقید محض بُرائی کی نشان دہی کا نام ہرگز نہیں ہے۔ اس میں مثبت پہلو کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق کے مقدّمے کی مثال دی گئی ہے۔ جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مولوی صاحب کا تحریر کردہ مقدّمہ اصل میں مقالہ ہے جس میں میر کی شاعری کی خصوصیات پیش کی گئی ہے۔ اور ان کی تحسین کی گئی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرتّب کو اعتراض مولوی صاحب کے مقدّمے پر ہے یا کلام میر کے متعلق مولوی صاحب کی آراء پر۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوالاعجاز " کشّاف تنقیدی اصطلاحات " میں تقریظ سے متعلق ایک مکمل اور جامع رائے پیش کرنے میں ناکام ہوئے ہیں۔ انھوں نے فارسی لُغت سے تقریظ کے

معنی " روحِ تنقید " از محی الدّین قادری زور سے تقریظ کی روایت اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی کسی کتاب سے تقریظ کی بابت ان کی رائے شامل کی ہے۔ کتابیات میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی کتاب " اشاراتِ تنقید " کا حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں غالباً ان سے توارد ہوگیا۔ بہر کیف ان کتابوں کے علاوہ جہاں فاضل مرتب نے تقریظ کے بارے میں اپنے خیالات شامل کیے وہیں بات الجھ گئی ہے۔

شیخ عبدالقادر نے ایک مضمون "فنِ تنقید" میں تقریظ پر اعتراض کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

" ہمیں یاد نہیں کہ آج تک کوئی ایسی تقریظ کسی کتاب کے ساتھ لگی ہو۔ جس میں جہاں دس خوبیاں جتائی ہیں، ایک آدھ نقص بھی جتا دیا گیا ہو " (۴۹)۔

تقریظ پر اس قسم کی رائے پڑھنے سے عموماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جوں کہ تقریظ میں تنقید نہیں پائی جاتی اس لیے یہ ایک فرسودہ مشغلہ ہے۔ اب شیخ عبدالقادر کا یہ اعتراض کہ تقریظ میں خامیوں کی نشان دہی نہیں کی جاتی ، تسلیم کرلیا جائے تو پھر وہ تحریر جیسے ہم تقریظ کہتے ہیں، وہ تو نہیں رہے گی۔ پھر ہماری شعوری کوشش تعریف و توصیف لکھنے کی ہے اور ہم اس میں تنقید بھی شامل کر دیں گے تو وہ تحریر ، تقریظ کے معیار پر کیسے پوری اترے گی اس لیے کہ تقریظ و تنقید ، دونوں کے مقاصد جدا ہیں۔

الغرض مذکورۂ بالا اعتراض کی طرح دیگر اعتراضات بھی اس ضمن میں ملتے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریظ محض مدحیہ انشاء پردازی ہے۔ اس میں تنقید نہیں ہوتی اس لیے یہ صنفِ ادب کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تقریظ کی اہمیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ پہلے تھی۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس صنف کو اُردو میں شروع ہی سے اس کے لُغوی معنی، مزاج اور مقصد کے مطابق برتا گیا۔ اس کے مقابلے میں تقریظ عرب میں ابتداء ہی سے اپنے معنی اور مقصد کے مطابق استعمال نہیں ہوئی۔ اسلام کے بعد اس کی ہیئت میں تغیر آیا۔ لہٰذا یہ کہنا حق بہ جانب ہوگا کہ اسلوب کے لحاظ سے تقریظ ، اردو میں ترقی یافتہ صورت میں ملتی ہے۔ اور لُغوی معنی کے اعتبار سے بھی اُردو میں کام یاب طریقے سے استعمال ہوئی ہے۔

عربی ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس زمانے میں لفظ تنقید یا انتقاد اپنے موجودہ معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا ، تب تقریظ کو تنقید کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں تقریظ میں تنقید کا عنصر تلاش کرنے کا رجحان اس وجہ سے جگہ پا گیا کہ یہاں

نے تقریظیں لکھیں۔ ("کلیات نسیم"، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ء۔) ۱۸۶۸ء میں حکیم ...م مولی قلق کا کلیات دوسری مرتبہ طبع ہوا تو الطاف حسین حالی، ابو سلمان مظفر احمد محوی نے فارسی میں اور مولوی سید احمد دہلوی، حافظ امداد حسین میرٹھی، مولوی محمد عبدالحی نے اُردو میں تقریظیں لکھیں۔ ("کلیات قلق"، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ء۔) ۱۸۶۹ء میں اردوے معلّی (مکاتیب مرزا غالب)، "گلدستہ نادر الاذکار" المعروف بہ "تذکرۂ شعرائے" دکن مطبوعہ ۱۸۷۱ء اور انگریزی اردو کی نصابی کتاب شایع ہوئی تو قربان علی بیگ سالک شاگرد میرزا غالب نے تقریظیں تحریر کیں۔ ۱۸۷۵ء میں "اودھ اخبار" کے ۲۳ اپریل والے شمارے میں پنڈت رتن ناتھ نے پنڈت بشمبر ناتھ کے کلام پر تقریظ لکھی ہے۔ اسی سال "اودھ اخبار" میں ۲۷ جون کے شمارے میں "الف" نام سے منشی خیرات علی خان کے کلام پر فارسی تقریظ بھی ملتی ہے۔ اسی سال "کوہ نور" لاہور کے ۳ اپریل کے شمارے میں مدیر کوہ نور کی تقریظ ہے۔ ۱۸۸۵ء میں "تذکرۂ یادگار ضیغم" شایع ہوا تو مولوی محمد احسان نے نظم اور نثر دونوں میں تقریظیں لکھیں۔ جب کہ فدا حسین فدا نے صرف منظوم تقریظ لکھی (مشمولہ "تذکرہ یادگار ضیغم") ۱۸۸۷ء میں جلال لکھنوی کی کتاب "سرمایۂ اردو" طبع ہوئی تو سید ذاکر حسین یاس لکھنوی نے تقریظ لکھی۔ (نمونۂ منثورات، ص ۵۰۶) اسی زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد کے مکاتیب کا مجموعہ "موعظۂ حسنہ" منظر عام پر آیا تو مولوی سید محمد خاں عظیم آبادی اور مولوی محمد حسین آزاد نے تقریظیں تحریر کیں۔ ("موعظۂ حسنہ"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء) ۱۸۹۲ء میں شمس العلماء مولوی عبدالحق خیرآبادی منطقی نے "امیر اللغات" پر تقریظ لکھی۔ ("نمونۂ منثورات"، ص ۵۰۸) اور جب "فرہنگ آصفیہ" منظرِ عام پر آئی تو بکثرت تقریظیں لکھی گئیں۔ ان کے لکھنے والوں میں الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ، محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحلیم عاصم، پروفیسر مولوی محمد عبداللہ ٹونکی، مہدی مجروح وغیرہ نمایاں ہیں۔ بیش تر حضرات نے تقریظ آمیز خطوط تحریر کیے۔ بہت سے اخبارات نے بھی تقریظیں شایع کیں۔ بعد ازاں یہ تمام تقریظیں "فرہنگ آصفیہ"، جلد چہارم کے آخر میں شامل کر دی گئیں۔

موجودہ صدی میں بھی تقریظیں ملتی ہیں، لیکن ان میں وہ اسلوب اور زبان کا وہ رنگ نہیں ملتا جو گزشتہ صدی میں بالخصوص غالب کے دور میں تھا۔ (جس کی تعریف، تقریظ کی لغوی بحث میں کی ہے۔) اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

آئی۔ تنقید بعد میں جب کہ عربی زبان میں تنقید پہلے آئی اور تقریظ بعد میں جس زمانے میں تقریظ ہمارے یہاں مروج پر تھی تو تنقید باقاعدہ فن کی صورت میں روشناس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب اس فرق کو محسوس کیا جانے لگا تو تقریظ اور تنقید خود بخود اپنے اپنے خانوں میں منتقل ہوگئیں۔ پھر تقریظ کی حیثیت اس لیے کم ہوگئی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں ادب کا قابلِ ذکر افادی پہلو نسبتاً کم ملتا ہے۔ اور اس فن پر رائے دیتے ہوئے تحقیر کا شائبہ اس لیے گزرتا ہے کہ تقریظ نگاری کا مقصد واضح نہیں ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے تقریظ اور تنقید کے فرق کو پیش کیا جائے۔

۱۔ تنقید میں کتاب کے معائب و محاسن موضوعِ بحث ہوتے ہیں۔ جب کہ تقریظ میں عموماً کتاب اور مصنف کی مدح سرائی ہوتی ہے۔

۲۔ تقریظ کا مقصد کتاب اور مصنف کی تشہیر یا دوست کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ جب کہ تنقید کا مقصد ادب میں مثبت رجحان کو تقویت دینا۔

۳۔ تقریظ نثری اسالیب کی روایت ہے جس کا مقصد پُر تکلف تحسین ہے۔ جب کہ تنقید بھی نثری اسالیب کی روایت کا حصّہ ہے لیکن اس کا انداز معروضی اور مقصد دو ٹوک رائے قائم کرنا ہے۔

تعریف و توصیف یقیناً بعض اعتبارات سے غیر اہم اور نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ اصول جو تقریظ کو رد کرنے کے لیے وضع کیا گیا، اگر قصائد، مسدس، مثنویات قطعات کے لیے بھی لاگو کر دیا جائے تو اُردو شاعری کا قابلِ لحاظ ذخیرہ غیر اہم ہوجائے گا۔ اس لیے کہ بہرحال ان اصناف کو بھی مدح سرائی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

تقریظوں پر اعتراض کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں تنقید نہیں ہوتی یا اصلاح کا کوئی پہلو نہیں ہوتا بلکہ ہمارے خیال میں اصل اعتراض یہ ہے کہ اس صنف میں تقریظ نگار اپنے ممدوح کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لیے بھاری بھر کم الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔ ہمیں بھی یہ اعتراض ہے کہ تقریظ نگار جب اپنے دوست یا کتاب کی تعریف میں بہت آگے نکل جاتا ہے تو گویا وہ لفظوں کی حرمت سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ لفظوں کے استعمال میں بد احتیاطی کا یہ مظاہرہ کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ لیکن باوجود اس کے اس تقریظی سرمایے کا مطالعہ جب اس نہج پر کیا جاتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ و تنقید پر ان تقریظوں نے کیا اثرات چھوڑے تو پھر ہم گویا ایک اور تاریخ لکھنے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے

نزدیک یہ فن اور اس کا سرمایہ اہم ہے۔

اصل میں تقریظ اُردو نثر کے ارتقائی دوز کا نمونہ ہے۔ اگر اس کا دور بہ دور مطالعہ کیا جائے تو فضلی کی "کربل کتھا" (۱۷۴۵ء) اور ملا وجہی کی "سب رس" (۱۰۴۵ء) وغیرہم سے لے کر مولوی عبدالحق کے مقدمات اور تبصروں تک اور پھر اس کے بعد مشتاق احمد یوسفی تک اردو نثر ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے مختلف رنگ اور روپ میں ملتی ہے اور اس کے ہر رنگ و روپ میں ایک انفرادیت ہے۔ اس لیے ہمیں تقریظ کا مطالعہ یا تنقید کرتے وقت اُردو نثر کی ہیئت اور موضوعات کے ارتقاء کو سامنے رکھنا چاہیے جس سے مثبت نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔

اگر تقریظات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے یا یہ سروے کیا جائے کہ تقریظ، تحقیقی و تنقیدی کام میں کس طرح مفید ہوتی ہے تو بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ان نثرپاروں میں جہاں ہم کو پُرتکلّف نثر کے نادر نمونے ملتے ہیں وہیں نثر میں لکھی جانے والی حمد اور نعت کے اقتباسات بھی مرقوم ہیں۔ اس کے علاوہ مصنّف سے متعلق داخلی شہادتیں، تقریظ نگار کے ادبی نظریات و افکار، اور عصری رجحانات سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔ جو تاریخ ادب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند نے "ادبی اصناف" میں "تحقیقی تحریروں کی اصناف اور قسمیں"، بیان کرتے ہوئے تقریظ کے ساتھ مقدّمے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

> "اب تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے۔ یہ کتاب کے شروع میں ہوتا ہے۔ یہ کبھی مصنّف ہی کا لکھا ہوتا ہے۔ کبھی دوسرے کا، یہاں مصنّف کا پیش لفظ یا دیباچہ یا مقدّمہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہم صرف اس مقدّمے کا ذکر کر رہے ہیں جو مصنّف کے علاوہ کسی دوسرے نے لکھا ہے۔ اس میں مصنّف کی سوانح اور تعارف نیز کتاب کی تنقید ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ فرمائشی تنقید ہے اس لیے اس میں طرف داری سے کام لیا جاتا ہے۔
> ہاں اگر کسی اہل رائے کو مقدّمہ لکھنے کی فرصت یا رجحان نہیں ہوتا تو وہ اپنی مختصر رائے دے دیتا ہے جو کتاب کے فلیپ یعنی گرد پوش کے اندرونی حصے پر درج کر دی جاتی ہے۔ بعض مقدّمہ نگار مشہور ہیں۔ مقدّماتِ عبدالحق اسی قسم کا کارنامہ ہے" (۵۰)۔

مقدّمے کی اس تعریف میں تقریظ سے متعلق کئی بحث طلب نکات سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے۔

۲۔ مقدّمہ فرمائشی تنقید ہے۔

۳۔ مقدّمہ نگار عدیم الفرصتی کی بنا پر جو رائے لکھتا ہے اسے کتاب کے فلیپ پر درج کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ مولوی عبدالحق کے مقدّمات فرمائشی تنقید کا کارنامہ ہیں۔

۵۔ دیباچہ، پیش لفظ اور مقدّمہ مترادف الفاظ ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ تمام نکات بحث طلب ہیں لیکن سردست ہم اپنے موضوع سے متعلق امور پر روشنی ڈالیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اگر موجودہ دور میں مقدّمے کے برتاؤ یا اس کے لکھنے میں بداحتیاطی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے تو بالکل بجا ہے لیکن ایسا نہیں ہے تو پھر ہمارا موقف یہ ہے کہ دونوں اصناف مقصد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مقدّمہ اردو کی کتابوں میں ابتداء ہی سے ملتا ہے۔ مختلف ادوار میں اس کے اجزائے ترکیبی میں تغیر آتا رہا لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ مقدّمہ ایک علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ یہ ایک منفرد چیز ہے۔ اس کا مزاج تحقیقی یا تنقیدی ہوتا ہے۔ اسے کسی بھی اہم تحقیقی و تنقیدی مقالے کے ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مقالات میں ہم آزادی کے ساتھ کسی بھی موضوع پر اپنی معلومات فراہم کرتے ہیں جب کہ مقدّمے میں کتاب کا موضوع پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس لیے کتاب کے موضوع سے متعلق کمی کو دور کیا جاتا ہے۔ غیر ضروری معلومات کی نشان دہی مدلّل انداز سے کی جاتی ہے۔ اس تمام کام میں تحقیق و تنقید کا اعلیٰ معیار پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مقدّمے کے اجزاء ترکیبی میں تبصرے کی تأثر نگاری اور تقریظ کا تحسینی انداز بھی ہوتا ہے۔ انھی امور کی بناء پر مقدّمہ، آزادی کے ساتھ کسی بھی موضوع پر لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔

مقدّمے کے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر مولوی عبدالحق کے مقدّمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ تقریظ نہیں بلکہ مقدّمے ہی کی ضرورت کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اس کارنامے ہی نے دیباچے اور مقدّمے کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ان کے ہاں مقدّمہ نگاری اور تقریظ نگاری میں بھی واضح فرق ملتا ہے۔ اس لیے کہ انھیں دونوں اصناف کے مقصد کا درک تھا۔ اسی بناء

پر وہ مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں فلیپ پر جو رائے ہوتی ہے وہ تنقیدی نہیں بلکہ تحسینی ہوتی ہے۔ گویا تقریظ ہی ہوتی ہے۔ اس میں مقدمہ نگار کی عدیم الفرصتی یا لکھنے کے رحجان کا دخل نہیں ہوتا۔

اس کے مقابلے میں تقریظ عہد طباعت کی دین ہے۔ (۱۵) اس کا اہم مقصد تشہیر ہے۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ تقریظ معاشی سرگرمی کا نام بھی ہے۔ اس کے ذریعے کتاب اور مصنف کی تشہیر، ادبی مقام اور مارکیٹ ویلیو متعین کرائی جاتی ہے۔ بااین ہمہ اس کا مقصد شہرت حاصل کرنے کے فطری جذبے کو تسکین دینا بھی ہے۔ یہ ایک طرف دوست کے لیے ہدیۂ تہنیت ہے تو دوسری طرف مسرت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی چناں چہ یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ تقریظ تشہیر اور معاشرتی تعلقات کی نمو کو تقویت دینے کے لیے لکھی جاتی رہی ہے۔ اور لکھی جاتی رہے گی۔

اب ذیل میں گذشتہ صدی کی چند تقریظوں کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جو پُرتکلف نثر کے ساتھ تبصرہ، تنقید اور مقدّمے کے واضح فرق کی عمدہ مثالیں ہیں۔

۱۔ ترجمۂ حدائق البلاغت، مترجم و تقریظ نگار: مولوی امام بخش صہبائی۔ زمانۂ تحریر: ۱۸۴۲ء، مشمولہ نمونۂ منثورات، ص ۴۹۷۔

"حمد کے مضمونوں کا فکر جب دل میں گزرتا ہے اور نعت کے معانی کا خیال جس وقت آتا ہے تو کوتاہیِ حوصلہ، کاغذ اور تنگیِ ظرفِ دوات مل کر عقل کی نارسائی اور اندیشے کی ناتمامی اس امر سے مانع ہو کر چاہتی ہے کہ [illegible] سے [illegible] کا مہتمم نہ کر کے دوستوں واثق [illegible] کو عرض کرے [illegible] علم بیان اور بدیع اور عروض میں [illegible] [illegible] کا [illegible] میں مشہور ہے۔"

۲۔ "کلیاتِ نسیم"، شاعر، اصغر علی نسیم، تقریظ نگار، منشی امیر اللہ تسلیم، زمانۂ تحریر: ۱۲۸۲ھ مشمولہ "کلیاتِ نسیم" مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۵۴۳۔

[illegible] نسیم انفاس اللہ کریاں ایسے گلشن آرا کے گل [illegible] رنگ [illegible] ہے کہ جس نے تختۂ خاک کو لالہ رخانِ سبزہ رنگ سے دامان گلچیں بنایا۔ شمیم

سنبل آہ خاکیان ایسے بہار پیرا کے ریاحینِ تحمید سے نافہ در آغوش ہے کہ جس نے گلِ خورشید کو طرہ دستار افلاک فرمایا۔ چمنستان سخن آبیاری نعت اس سرچشمہ ہدایت سے شاداب ہے کہ جس کے زلالِ بشارت "جناتِ تجری من تحتہا الانہار" نے تشنگان وادی ارادت کو سیراب کیا۔ گلستانِ معانی آب جوی منقبت اس رنگ طرازِ نبوت سے سرسبز ہے کہ جس کے نخل تمنا کو باغبان قدرت نے آبشار "انا اعطیناک الکوثر" سے آب دیا۔ صدرِ نشین مسند قاب قوسین او ادنی سرورِ عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمر نورس شاخ گلم گل فشانی درود آل اطہار ہے کہ جن کے فیض قدم سے حدیقہ خزاں رسیدہ عالم نے مرتبہ صحن فردوس کا پایا۔ برگ و بار گلبن زبان ستائش صحابہ کبار ہے۔ کہ جن کے حسن تدبیر نے خیابانِ ہدایت کو خار ضلالت سے پاک فرمایا۔ آوارہ کوی ناکامی نام آور عالم گم نامی خار چین گلشن طبع سلیم شیخ امیر اللہ تسلیم ارباب سخن کی خدمت میں التماس آرا ہے۔ چہرہ شاہد مضمون نو سے نقاب کشا ہے۔ اعنی ۱۲۴۴ھ میں شاعر رنگین بیان، نکتہ در رشک سحبان، ہم پایہ قدسی و نکلیم جناب میرزا محمد اصغر علی خان [illegible] آقا علی خاں قاچار، شاگرد جناب حکیم مومن خان [illegible] اللہ [illegible] الجنان، خطہ پاک دہلی سے لکھنؤ میں تشریف فرما [illegible]

[illegible] حسین مجروح، زمانہ تحریر

[illegible] رنگ [illegible] یا انداز [illegible] کبھی [illegible] کے پردے [illegible] ہستی جماتا ہے۔ کبھی نقش "کل نفس ذائقۃ الموت" [illegible] ذی حیات کو ڈراتا [illegible] کبھی معجزہ و مسیحائی۔ [illegible] کبھی آوازہ [illegible] کبھی نعرہ لبیک۔ کبھی

محلع نعلیک۔ کبھی اندر علیک۔ کبھی پند میں سود مند باتیں سکھاتا ہے۔ کبھی مسائل حکمیہ میں حقیقت انسان بتاتا ہے۔" کبھی یہ علمِ منطق میں سرمایہ تقریر کبھی صنایع و بدائع میں یہ خوبی تحریر کبھی یہ دعائے زاہد ہو کر در قبول تک پہنچاتا ہے۔ کبھی نالہ عشق ناکام بن کر تاثیر کو ترساتا ہے۔ کبھی لب رنگین سنان سے نوا ساز، کبھی نرگسِ سحر آفریں سے سخن پرداز، کبھی طوطی کا نغمہ جانگداز، کبھی بلبل کا شعلہ آواز، کبھی دیوانگانِ محبت کا شور و فغاں کبھی دل دادگانِ عشق کا زمزمہ الاماں اسی سے دوست ہوجاتے ہیں"۔

اُردو اور فارسی میں نظم آمیز تقریظیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں۔ اس کے لیے تقریظ نگاروں نے رباعی، قطعات، مسدس، مثنوی، کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اس ضمن میں کئی رجحانات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً نثری تقریظ سے پہلے رباعی فارسی یا اردو میں ۔۲۔ قطعہ تاریخ۔ آخر میں اور فارسی یا اردو میں ۔۳۔ تحریر کے درمیان میں رباعی یا مثنوی ۔۴۔ نثر اردو میں، رباعیات اور قطعات فارسی میں ۔۵۔ تحریر کے آخر میں قطعہ، رباعی اور مثنوی تینوں ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ اسلوب اور تحریر کے مزاج کا اندازہ کیا جاسکے۔

۳۔ گلدستہ " نادر الاذکار " المعروف بہ تذکرہ شعرائے دکن "، مصنف: درگا پرشاد
تقریظ نگار: مرزا قربان علی سالک، زمانہ تحریر: ۱۸۷۱ء، مشمولہ " کلیاتِ سالک "، ص ۲۳۰۔

قطعہ تاریخِ اتمام کتاب ھذا

در شیخ کلک نادر نقش نادر تراوید و بیسر گشت کامش
برائے سال تالیف از سر فہم نہادہ " نادر الاذکار " نامش

۸۰+ ۱۲۸ ۱۲۸۸ھ

(تقریظ کے آخر میں)

" کلیات قلق "، شاعر: حکیم غلام مولیٰ قلق، تقریظ نگار: سیّد احمد دہلوی، زمانہ تحریر ۱۸۸۳ء، مشمولہ کلیاتِ قلق، ص ۵۸۰۔

قطعۂ تاریخ

مرگ یکتائے عصر کی سن کر
ہر سخن ور کا دل دو نیم ہوا

بولا مشتاق بے سرِ امید
حیف ہے اب سخن یتیم ہوا (آخر میں)۔

اس قطعۂ تاریخ سے پہلے تقریظ کے آخر میں سیّد احمد دہلوی یہ صراحت کرتے ہیں:

"حضرت کا انتقال ساتویں شعبان ۱۲۹۰ھ کو ہوا۔ چناں چہ ہمارے دوست اور میاں قلق کے شاگردِ رشید منشی گلاب سنگھ صاحب مشتاق سب اوور سیئر نہر جمن نے جو اس زمانے میں تاریخ وفات لکھی تھی، وہی اس جگہ وافی و کافی ہے"۔

اسی کلیات پر ایک اور تقریظ کے آخر میں میں حافظ امداد حسین ظہور میرٹھی کے یہ اشعار ملتے ہیں۔

نادر یہ کلام سحر اثر ہے طرفہ ہر ایک شعرِ تر ہے
ہر لفظ کی ساحری ادائی اعجاز وشی سے جلوہ گر ہے
اللہ اللہ قلق کا دیوان نادر، نایاب، طرفہ تر ہے
شوخی و ادا و جوش و خوبی نشتر زنِ کاوشِ جگر ہے
مضموں سے نگاہ بادہ در جام دل لطف سے شیر اور شکر ہے
افسوس مگر ہزار افسوس دیواں یہ یتیم اک پسر ہے
یعنی کہ قلق نہیں ہے اے وائے ندر تپش و قلق جگر ہے۔

"عودِ ہندی" از غالب میں حکیم غلام مولیٰ قلق کی ایک تقریظ شامل ہے جس میں انھوں نے ابتداء میں فارسی رباعی، درمیان میں اردو رباعی، اور آخر سے کچھ پہلے مثنوی شامل کی ہے۔ رباعی درج کی جاتی ہے۔ (مشمولہ "کلیات قلق"، ص ۶۰۲) یہ تقریظ "عودِ ہندی" (مطبع نارائن دہلی، ۱۲۹۵ھ) میں شامل ہے۔

"رباعی"

کیا نامۂ نامی ہے مہیا ہے ظہور
ہے چشمک ہر نقطہ کہ چشمِ بد دُور
اللہ رے کیفیت لفظ و معنی
وہ آنکھ میں ہے نور تو یہ دل میں سرور

بعض کتابوں میں نثر میں تقریظ تو نہیں ملتی البتہ نظمیہ تقریظیں ہوتی ہیں۔ جن میں تقریظ نگار مثنوی اور قطعۂ تاریخ میں اپنے احساسات پیش کرتے ہیں۔ اور بعض میں نثر سے زیادہ شاعری کا غلبہ ہوتا ہے۔ جیسے "یادگارِ ضیغم" از محمد عبداللہ خاں ضیغم (مطبوعہ ۱۸۸۶ء) اس میں نثر میں تقریظ کے علاوہ مثنوی، قطعۂ تاریخ وغیرہ خاصی تعداد میں ہیں۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں تقاریظ کے کچھ نمونے پیش کیے ہیں اب ایسی ہی تقریظوں کی مزید نشان دہی کی جاتی ہے اس موقع پر کچھ فارسی تقریظیں بھی شامل کی گئی ہیں یہ اُردو کتابوں پر تحریر کی گئی ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں اسلوب ایک سا ہے۔

احسن مارہروی نے "نمونۂ منثورات" میں تقریظ و تنقید کے ذیل میں جو نمونے پیش کیے ہیں۔ اس میں پہلی مطبوعہ تقریظ ۱۸۴۲ء کی ہے۔ جو اُردو میں ہے۔ اس سے پہلے ۱۸۳۴ء میں لکھی جانے والی کتاب "گلشن بے خار" از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ پر فارسی تقریظ کے نمونے ملتے ہیں۔ ان تقریظوں کے لکھنے والے اردو کے نامور اہلِ قلم حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین آزردہ، مرزا اسد اللہ خاں غالب، امام بخش صہبائی اور عبداللہ علوی ہیں ("گلشن بے خار"۔ لاہور۔ مجلسِ ترقیِ ادب۔ ۱۹۸۳ء۔) ۱۸۴۲ء میں شمس الدین فقیر کی فارسی کتاب "حدائق البلاغت" کا اردو ترجمہ شایع ہوا تو امام بخش صہبائی نے تقریظ لکھی ("نمونۂ منثورات"، ص ۴۹۷) سر سیّد احمد خاں کی تصنیف "آثار الصنادید" پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئی تو غالب صہبائی اور آزردہ نے فارسی میں تقریظیں لکھیں (مطبع نول کشور ۱۸۸۶ء) ۱۸۵۴ء میں غالب نے ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی کتاب پر تقریظ تحریر کی (نمونۂ منثورات، ص ۴۹۹۔) ۱۸۶۴ء میں "فغانِ دہلی" پر مرزا قربان علی سالک دہلوی کی تقریظ ملتی ہے۔ ("نمونۂ منثورات"۔ ص ۵۰۲۔) ۱۸۶۵ء میں "کلیاتِ نسیم" از اصغر علی خاں نسیم شایع ہوئی تو منشی امیر اللہ تسلیم

۱۔ سیاسی صورتِ حال کی تبدیلی کے باعث انگریزی کا رواج۔
۲۔ فارسی اور عربی علوم کا زوال۔
۳۔ خطوطِ غالب (جنھوں نے اردو نثر کی لکنت دور کی)۔
۴۔ سرسید احمد خاں کی موضوعاتی نثر

لیکن ان وجوہات کے علاوہ ایک اور واقعہ بھی ہے جس نے اردو تقریظ کو غیر اہم کر دیا۔ وہ ہے غالب کی سرسیّد احمد خاں کی مرتّب کردہ "آئین اکبری" پر لکھی جانے والی تقریظ۔ اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)